QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

الطُّور

(۵۲)

QuranUrdu.com

الطُّور

نام

پہلے ہی لفظ ''وَالطُّوْرِ'' سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نُزُول

مضامین کی اندرونی شہادت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی مکّۂ معظّمہ کے اُسی دَور میں نازل ہوئی ہے جس میں سورۂ ذاریات نازل ہوئی تھی۔ اس کو پڑھتے ہوئے یہ تو ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اس کے نُزُول کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعتراضات اور الزامات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، مگر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ظلم وستم کی چکّی زور شور سے چلنی شروع ہو گئی تھی۔

موضوع اور مَباحِث

اس کے پہلے رُکوع کا موضوع آخرت ہے۔ سورۂ ذاریات میں اس کے امکان اور وجوب اور وقوع کے دلائل دیے جا چکے تھے، اس لیے یہاں اُن کا اعادہ نہیں کیا گیا ہے، البتہ آخرت کی شہادت دینے والے چند حقائق و آثار کی قسم کھا کر پُورے زور کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ یقیناً واقع ہو کر رہے گی اور کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اسے برپا ہونے سے روک دے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ جب وہ پیش آئے گی تو اس کے جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہو گا، اور اسے مان کر تقویٰ کی رَوِش اختیار کر لینے والے کس طرح اللہ کے انعامات سے سرفراز ہوں گے۔

اس کے بعد دوسرے رُکوع میں سردارانِ قریش کے اُس رَوِیّے پر تنقید کی گئی ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کیے ہوئے تھے۔ وہ آپؐ کو کبھی کاہن، کبھی مجنون اور کبھی شاعر قرار دے کر عوام الناس کو آپؐ کے خلاف بہکاتے تھے، تاکہ لوگ آپؐ کے لائے ہوئے پیغام کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہ کریں۔ وہ آپؐ کی ذات کو اپنے حق میں ایک بلائے ناگہانی سمجھتے تھے اور عَلانِیَہ کہتے تھے کہ کوئی آفت اِن پر نازل ہو جائے تو ہمارا اِن سے پیچھا چھُوٹے۔ وہ آپؐ پر الزام لگاتے تھے کہ یہ قرآن آپؐ خود گھڑ گھڑ کر خدا کے نام سے پیش کر رہے ہیں اور یہ معاذ اللہ، ایک فریب ہے جو آپؐ نے بنا رکھا ہے۔ وہ بار بار طنز کرتے تھے کہ خدا کو نبوت کے لیے ملے بھی تو بس یہ صاحب ملے۔ وہ آپؐ کی دعوت و تبلیغ سے ایسی بیزاری کا اظہار کرتے تھے جیسے آپؐ کچھ مانگنے کے لیے اُن کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے آپؐ سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ وہ آپس میں بیٹھ بیٹھ کر سوچتے تھے کہ آپؐ کے خلاف کیا چال ایسی چلی جائے جس سے آپؐ کی اِس دعوت کا خاتمہ ہو جائے۔ اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے انھیں اِس امر کا کوئی احساس نہ تھا کہ وہ کیسے جاہلانہ عقائد میں مبتلا ہیں جن کی تاریکی سے

QuranUrdu.com

لوگوں کو نکالنے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے غرضانہ اپنی جان کھپا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِسی رویّے پر تنقید کرتے ہوئے پے درپے کچھ سوالات کیے ہیں جن میں سے ہر سوال یا تو اُن کے کسی اعتراض کا جواب ہے، یا اُن کی کسی جہالت پر تبصرہ۔ پھر فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو آپؐ کی نبوت کا قائل کرنے کے لیے کوئی معجزہ دکھانا قطعی لاحاصل ہے، کیونکہ یہ ایسے ہٹ دھرم لوگ ہیں کہ انھیں خواہ کچھ بھی دکھا دیا جائے، یہ اُس کی کوئی تاویل کر کے ایمان لانے سے گریز کر جائیں گے۔

اس رُکوع کے آغاز میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اِن مخالفین و مُعاندین کے الزامات و اعتراضات کی پروا کیے بغیر اپنی دعوت و تذکیر کا کام مسلسل جاری رکھیں، اور آخر میں بھی آپؐ کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ صبر کے ساتھ اِن مزاحمتوں کا مقابلہ کیے چلے جائیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ جائے۔ اِس کے ساتھ آپؐ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو دشمنانِ حق کے مقابلے میں اُٹھا کر اپنے حال پر چھوڑ نہیں دیا ہے بلکہ وہ برابر آپؐ کی نگہبانی کر رہا ہے۔ جب تک اُس کے فیصلے کی گھڑی نہ آئے، آپؐ سب کچھ برداشت کرتے رہیں اور اپنے رب کی حمد و تسبیح سے وہ قوت حاصل کرتے رہیں جو ایسے حالات میں اللہ کا کام کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔

QuranUrdu.com

آیاتہا ۴۹ رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾

قسم ہے طُور کی[۱]، اور ایک ایسی کُھلی کتاب کی جو رقیق جِلد میں لکھی ہوئی ہے[۲]، اور آباد گھر کی[۳]،

۱۔ طُور کے اصل معنیٰ پہاڑ کے ہیں، اور الطُّور سے مراد وہ خاص پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔

۲۔ قدیم زمانے میں جن کتابوں اور تحریروں کو زمانۂ دراز تک محفوظ رکھنا ہوتا تھا، انھیں کاغذ کے بجائے ہرن کی کھال پر لکھا جاتا تھا۔ یہ کھال خاص طور پر لکھنے ہی کے لیے رقیق جِلد یا جھلّی کی شکل میں تیار کی جاتی تھی اور اِصطِلاح میں اسے رَقّ کہا جاتا تھا۔ اہلِ کتاب بالعُموم تورات، زَبُور، انجیل اور صُحُفِ انبیاؑ کو اِسی رَقّ پر لکھا کرتے تھے، تاکہ طویل مدّت تک محفوظ رہ سکیں۔ یہاں کھلی کتاب سے مراد یہی مجموعۂ کُتُبِ مقدّسہ ہے جو اہلِ کتاب کے ہاں موجود تھا۔ اُسے ''کھلی کتاب'' اِس لیے کہا گیا ہے کہ وہ نایاب نہ تھا، پڑھا جاتا تھا، اور بآسانی معلوم کیا جاسکتا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

۳۔ ''آباد گھر'' سے مراد حضرت حَسَن بصریؒ کے نزدیک بیت اللہ، یعنی خانۂ کعبہ ہے جو کبھی حج اور عُمرہ اور طواف و زیارت کرنے والوں سے خالی نہیں رہتا۔ اور حضرت علیؓ، ابنِ عباسؓ، عِکْرِمہ، مجاہد، قَتَادہ، ضَحّاک، ابنِ زَید اور دوسرے مفسّرین اس سے مراد وہ بیتِ معمور لیتے ہیں جس کا ذکر معراج کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جس کی دیوار سے آپؐ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ٹیک لگائے دیکھا تھا۔ مجاہد، قَتَادہ اور ابنِ زَید کہتے ہیں کہ جس طرح خانۂ کعبہ اہلِ زمین کے لیے خدا پرستوں کا مرکز و مَرجَع ہے، اُسی طرح ہر آسمان میں اُس کے باشندوں کے لیے ایسا ہی ایک کعبہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لیے ایسی ہی مرکزیّت رکھتا ہے۔ انھی میں سے ایک کعبہ وہ تھا جس کی دیوار سے ٹیک لگائے حضرت ابراہیم علیہ السّلام معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آئے تھے، اور اُس سے حضرت ابراہیمؑ کی مناسبت فطری تھی، کیونکہ آپ ہی زمین والے کعبے کے بانی ہیں۔ اِس تشریح کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ دوسری تفسیر حضرت حَسَن بصریؒ کی تفسیر کے خلاف نہیں پڑتی، بلکہ دونوں کو ملا کر ہم یُوں سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں قسم صرف زمین ہی کے کعبے کی نہیں کھائی گئی ہے، بلکہ اس میں اُن تمام کعبوں کی قسم بھی شامل ہے جو ساری کائنات میں موجود ہیں۔

QuranUrdu.com

وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾ وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ
لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنۡ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًا ۙ﴿۹﴾

اور اُونچی چھت کی[۴]، اور موجزن سمندر[۵] کی، کہ تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے، جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں[۶]۔ وہ اُس روز واقع ہوگا جب آسمان بُری طرح ڈگمگائے گا[۷]

۴ – اُونچی چھت سے مراد آسمان ہے جو زمین پر ایک قُبّے کی طرح چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اور یہاں یہ لفظ پُورے عالَمِ بالا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (تشریح کے لیے مُلاحَظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد پنجم، تفسیر سورۂ قٓ، حاشیہ ۷)

۵ – اصل میں لفظ اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ استعمال ہوا ہے۔ اس کے متعدِّد معنٰی بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مفسّرین نے اس کو ''آگ سے بھرے ہوئے'' کے معنٰی میں لیا ہے۔ بعض اس کو فارغ اور خالی کے معنٰی میں لیتے ہیں، جس کا پانی زمین میں اُتر کر غائب ہوگیا ہو۔ بعض اسے محبُوس کے معنٰی میں لیتے ہیں، اور اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ سمندر کو روک کر رکھا گیا ہے، تاکہ اس کا پانی زمین میں اُتر کر غائب بھی نہ ہوجائے اور خشکی پر چھا بھی نہ جائے کہ زمین کے سب باشندے اس میں غرق ہوجائیں۔ بعض اسے مخلوط کے معنٰی میں لیتے ہیں، جس کے اندر میٹھا اور کھاری، گرم اور سرد ہر طرح کا پانی آکر مل جاتا ہے۔ اور بعض اس کو لبریز اور موجزن کے معنٰی میں لیتے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو معنٰی تو موقع و محل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ سمندر کی یہ دونوں کیفیات کہ اُس کی تہ پھٹ کر اُس کا پانی زمین کے اندر اُتر جائے اور وہ آگ سے بھر جائے، قیامت کے وقت ظاہر ہوں گی، جیسا کہ سورۂ تکویر، آیت ۶، اور سورۂ اِنفِطار، آیت ۳ میں بیان ہوا ہے۔ یہ آیندہ رونما ہونے والی کیفیات اِس وقت موجود نہیں ہیں کہ اُن کی قسم کھا کر آج کے لوگوں کو آخرت کے وقوع کا یقین دلایا جائے۔ اس لیے اِن دو معنوں کو ساقط کر کے یہاں البحر المسجور کو محبُوس، مخلوط، اور لبریز و موجزن کے معنٰی ہی میں لیا جاسکتا ہے۔

۶ – یہ ہے وہ حقیقت جس پر اِن پانچ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ رب کے عذاب سے مراد آخرت ہے۔ چونکہ یہاں اُس پر ایمان لانے والے مُخاطَب نہیں ہیں بلکہ اُس کا انکار کرنے والے مُخاطَب ہیں، اور اُن کے حق میں اُس کا آنا عذاب ہی ہے، اس لیے اُس کو قیامت یا آخرت یا روزِ جزا کہنے کے بجائے ''رب کا عذاب'' کہا گیا ہے۔ اب غور کیجیے کہ اس کے وقوع پر وہ پانچ چیزیں کس طرح دلالت کرتی ہیں جن کی قسم کھائی گئی ہے۔

طُور وہ جگہ ہے جہاں ایک دبی اور پِسی ہوئی قوم کو اُٹھانے اور ایک غالب و قاہر قوم کو گرانے کا فیصلہ کیا گیا، اور یہ فیصلہ قانونِ طبیعی (physical law) کی بنیاد پر نہیں بلکہ قانونِ اخلاقی (moral law) اور قانونِ مُکافات (law of retribution) کی بنیاد پر تھا۔ اس لیے آخرت کے حق میں تاریخی اِستدلال کے طَور پر طُور کو

QuranUrdu.com

بطور ایک علامت کے پیش کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل جیسی ایک بے بس قوم کا اُٹھایا جانا اور فرعون جیسے ایک زبردست فرمانروا کا اپنے لشکروں سمیت غرق کر دیا جانا، جس کا فیصلہ ایک سُنسان رات میں کوہِ طُور پر کیا گیا تھا، انسانی تاریخ میں اِس امر کی ایک نمایاں ترین مثال ہے کہ سلطنتِ کائنات کا مزاج کس طرح انسان جیسی ایک ذی عقل و ذی اختیار مخلوق کے معاملے میں اَخلاقی محاسبے اور جزائے اعمال کا تقاضا کرتا ہے، اور اس تقاضے کی تکمیل کے لیے ایک ایسا یوم الحساب ضروری ہے جس میں پوری نَوعِ انسانی کو اکٹھا کر کے اس کا محاسبہ کیا جائے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد پنجم، تفسیر سورۂ ذاریات، حاشیہ ۲۱)

کُتُبِ مقدّسہ کے مجموعے کی قسم اِس بنا پر کھائی گئی ہے کہ خداوندِ عالَم کی طرف سے دنیا میں جتنے بھی انبیاؑ آئے اور جو کتابیں بھی وہ لائے، اُن سب نے ہر زمانے میں وہی ایک خبر دی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں، یعنی یہ کہ تمام اگلے پچھلے انسانوں کو ایک دن اَز سرِنَو زندہ ہو کر اپنے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا پانی ہے۔ کوئی کتاب آسمانی کبھی ایسی نہیں آئی ہے جو اس خبر سے خالی ہو، یا جس نے انسان کو اُلٹی یہ اطلاع دی ہو کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اور انسان بس مر کر مٹی ہو جانے والا ہے، جس کے بعد نہ کوئی حساب ہے نہ کتاب۔

بیتِ معمور کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے کہ خاص طور پر اہلِ عرب کے لیے اُس زمانے میں خانۂ کعبہ کی عمارت ایک ایسی کھُلی نشانی تھی جو اللہ کے پیغمبروں کی صداقت پر اور اِس حقیقت پر کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کی حکمتِ بالغہ وقدرتِ قاہرہ اُن کی پشت پر ہے، صریح شہادت دے رہی تھی۔ اِن آیات کے نُزول سے ڈھائی ہزار برس پہلے بے آب و گیاہ اور غیر آباد پہاڑوں میں ایک شخص کسی لاؤلشکر اور سروسامان کے بغیر آتا ہے اور اپنی ایک بیوی اور ایک شِیرخوار بچے کو بالکل بے سہارا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پھر کچھ مدّت بعد وہی شخص آ کر اس سُنسان جگہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک گھر بناتا ہے اور پکار دیتا ہے کہ لوگو! آؤ اور اس گھر کا حج کیا کرو۔ اِس تعمیر اور اِس پکار کو یہ حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوتی ہے کہ وہی گھر تمام اہلِ عرب کا مرکز بن جاتا ہے، اُس پکار پر عرب کے ہر گوشے سے لوگ لبّیک لبّیک کہتے ہوئے کھنچے چلے آتے ہیں، ڈھائی ہزار برس تک یہ گھر ایسا امن کا گہوارہ بنا رہتا ہے کہ اِس کے گردوپیش سارے ملک میں کُشت وخون کا بازار گرم ہوتا ہے، مگر اس کے حُدُود میں آ کر کسی کو کسی پر ہاتھ اٹھانے کی ہمّت نہیں ہوتی، اور اسی گھر کی بدولت عرب کو ہر سال چار مہینے ایسے امن کے میسّر آجاتے ہیں جن میں قافلے اطمینان سے سفر کرتے ہیں، تجارت چمکتی ہے اور بازار لگتے ہیں۔ پھر اُس گھر کا یہ دبدبہ تھا کہ اس پُوری مدّت میں کوئی بڑے سے بڑا جبّار بھی اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکا، اور جس نے یہ جرأت کی وہ اللہ کے غضب کا ایسا شکار ہوا کہ عبرت بن کر رہ گیا۔ یہ کرشمہ اِن آیات کے نُزول سے صرف ۴۵ ہی برس پہلے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور اس کے دیکھنے والے بہت سے آدمی اُس وقت مکّۂ معظّمہ میں زندہ موجود تھے جب یہ آیات اہلِ مکّہ کو سنائی جا رہی تھیں۔ اس سے بڑھ کر کیا چیز اس بات کی دلیل ہو سکتی تھی کہ خدا کے پیغمبر ہوائی باتیں نہیں کیا کرتے۔ اُن کی آنکھیں وہ کچھ دیکھتی ہیں جو دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ اُن کی زبان پر وہ حقائق

QuranUrdu.com

جاری ہوتے ہیں جن تک دوسروں کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ وہ بظاہر ایسے کام کرتے ہیں جن کو ایک وقت کے لوگ دیکھیں تو دیوانگی سمجھیں اور صدیوں بعد کے لوگ انھی کو دیکھ کر ان کی بصیرت پر دنگ رہ جائیں۔ اِس شان کے لوگ جب بالاتفاق ہر زمانے میں یہ خبر دیتے رہے ہیں کہ قیامت آئے گی اور حشر و نشر ہو گا تو اِسے دیوانوں کی بڑ سمجھنا خود دیوانگی ہے۔

اُونچی چھت (آسمان) اور موجزن سمندر کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی حکمت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں، اور اسی حکمت و قدرت سے آخرت کا امکان بھی ثابت ہوتا ہے اور اس کا وقوع و وجوب بھی۔ آسمان کی دلالت پر ہم اس سے پہلے تفسیر سورۂ ق، حاشیہ ۷ میں کلام کر چکے ہیں۔ رہا سمندر، تو جو شخص بھی انکار کا پیشگی فیصلہ کیے بغیر اُس کو نگاہِ غور سے دیکھے گا، اس کا دل یہ گواہی دے گا کہ زمین پر پانی کے اتنے بڑے ذخیرے کا فراہم ہو جانا بجائے خود ایک ایسی کاریگری ہے جو کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ پھر اُس کے ساتھ اِتنی بے شمار حکمتیں وابستہ ہیں کہ اتفاقاً ایسا حکیمانہ نظام قائم ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ اس میں بے حد و حساب حیوانات پیدا کیے گئے ہیں جن میں سے ہر نوع کا نظام جسمانی ٹھیک اُس گہرائی کے لیے موزوں بنایا گیا ہے جس کے اندر اُسے رہنا ہے۔ اس کے پانی کو نمکین بنا دیا گیا ہے، تاکہ روزانہ کروڑوں جانور جو اس میں مرتے ہیں اُن کی لاشیں سڑ نہ جائیں۔ اِس کے پانی کو ایک خاص حد پر اس طرح روک رکھا گیا ہے کہ نہ تو وہ زمین کے شگافوں سے گزر کر اس کے پیٹ میں اُتر جاتا ہے اور نہ خشکی پر چڑھ کر اسے غرق کر دیتا ہے، بلکہ لاکھوں کروڑوں برس سے وہ اسی حد پر رُکا ہوا ہے۔ اِسی عظیم ذخیرۂ آب کے موجود اور برقرار رہنے سے زمین کے خشک حصّوں پر بارش کا انتظام ہوتا ہے، جس میں سورج کی گرمی اور ہواؤں کی گردش اِس کے ساتھ پوری باقاعدگی کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔ اسی کے غیر آباد نہ ہونے اور طرح طرح کی مخلوقات اس میں پیدا ہونے سے یہ فائدہ حاصل ہوا ہے کہ انسان اس سے اپنی غذا اور اپنی ضرورت کی بہت سی چیزیں کثیر مقدار میں حاصل کر رہا ہے۔ اسی کے ایک حد پر رُکے رہنے سے وہ برِّ اعظم اور جزیرے قائم ہیں جن پر انسان بس رہا ہے۔ اور اسی کے چند اٹل قواعد کی پابندی کرنے سے یہ ممکن ہوا ہے کہ انسان اس میں جہاز رانی کر سکے۔ ایک حکیم کی حکمت اور ایک قادرِ مُطلَق کی زبردست قدرت کے بغیر اس انتظام کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا اور نہ یہ تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ انسان اور زمین کی دوسری مخلوقات کے مفاد سے سمندر کے اِس انتظام کا یہ گہرا تعلق بس اَٹکل پَچّو ہی قائم ہو گیا ہے۔ اب اگر فی الواقع یہ اس امر کی ناقابلِ انکار شہادت ہے کہ ایک خدائے حکیم و قادر نے انسان کو زمین پر آباد کرنے کے لیے دوسرے بے شمار انتظامات کے ساتھ یہ بحرِ شور بھی اِس شان کا پیدا کیا ہے تو وہ شخص سخت احمق ہو گا جو اُس حکیم سے اِس نادانی کی توقع رکھے کہ وہ اِس سمندر سے انسان کی کھیتیاں سیراب کرنے اور اس کے ذریعے سے انسان کو رزق دینے کا انتظام تو کر دے گا مگر اس سے کبھی یہ نہ پوچھے گا کہ تو نے میرا رزق کھا کر اُس کا حق کیسے ادا کیا، اور وہ اِس سمندر کے سینے پر اپنے جہاز دوڑانے کی قدرت تو انسان کو عطا کر دے گا مگر اُس سے کبھی یہ نہ پوچھے گا کہ یہ جہاز تُو نے حق اور راستی کے ساتھ دوڑائے تھے یا اِن کے ذریعے سے دنیا میں ڈاکے مارتا پھرتا تھا۔ اسی طرح یہ تصوُّر کرنا بھی ایک بہت بڑی کُند ذہنی ہے کہ جس

QuranUrdu.com

وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١
الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى
نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤

وقف لازم

اور پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں[8] گے۔ تباہی ہے اُس روز اُن جھٹلانے والوں کے لیے جو آج کھیل کے طور پر اپنی حجّت بازیوں میں لگے ہوئے ہیں[9]۔ جس دن انھیں دھکّے مار مار کر نارِ جہنّم کی طرف لے چلا جائے گا، اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ "یہ وہی آگ ہے جسے تم جھُٹلایا کرتے تھے،

قادرِ مُطلَق کی قدرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ اِس عظیم الشان سمندر کی تخلیق ہے، جس نے فضا میں گھومنے والے اِس معلّق کُرے پر پانی کے اتنے بڑے ذخیرے کو تھام رکھا ہے، جس نے نمک کی اتنی بڑی مقدار اِس میں گھول دی ہے، جس نے طرح طرح کی اَن گنت مخلوقات اس میں پیدا کی ہیں اور ان سب کی رزق رسانی کا انتظام اِسی کے اندر کر دیا ہے، جو ہر سال اربوں ٹن پانی اِس میں سے اُٹھا کر ہوا کے دوش پر لے جاتا ہے اور کروڑوں مربع میل کے خشک علاقوں پر اُسے بڑی باقاعدگی کے ساتھ برساتا رہتا ہے، وہ انسان کو ایک دفعہ پیدا کر دینے کے بعد ایسا عاجز ہو جاتا ہے کہ پھر اُسے پیدا کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔

۷ – اصل الفاظ ہیں: تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا۔ مَور عربی زبان میں گھُومنے، اَوٹنے، پھڑ کنے، جھُوم جھُوم کر چلنے، چکّر کھانے اور بار بار آگے پیچھے حرکت کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ قیامت کے دن آسمان کی جو حالت ہوگی، اسے اِن الفاظ میں بیان کر کے یہ تصوّر دلایا گیا ہے کہ اُس روز عالَمِ بالا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دیکھنے والا جب آسمان کی طرف دیکھے گا تو اُسے یوں محسوس ہوگا کہ وہ جما جمایا نقشہ جو ہمیشہ ایک ہی شان سے نظر آتا تھا، بگڑ چکا ہے اور ہر طرف ایک اضطراب برپا ہے۔

۸ – دوسرے الفاظ میں زمین کی وہ گرفت جس نے پہاڑوں کو جما رکھا ہے، ڈھیلی پڑ جائے گی اور وہ اپنی جڑوں سے اُکھڑ کر فضا میں اس طرح اُڑنے لگیں گے جیسے بادل اُڑے پھرتے ہیں۔

۹ – مطلب یہ ہے کہ نبی سے قیامت اور آخرت اور جنّت و دوزخ کی خبریں سُن کر انھیں مذاق کا موضوع بنا رہے ہیں، اور سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرنے کے بجائے محض تفریحاً ان پر باتیں چھانٹ رہے ہیں۔ آخرت پر ان کی بحثوں کا مقصود حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں ہے، بلکہ ایک کھیل ہے جس سے یہ دل بہلاتے ہیں اور انھیں کچھ ہوش نہیں ہے کہ فی الواقع یہ کس انجام کی طرف چلے جا رہے ہیں۔

QuranUrdu.com

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا
تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ اِنَّ
الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝۱۷ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ
عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۱۸ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ مُتَّكِــِٕيْنَ

اب بتاؤ یہ جادُو ہے یا تمھیں سوجھ نہیں رہا ہے؟[10] جاؤ اب جھلسو اِس کے اندر، تم خواہ صبر کرو یا نہ کرو، تمھارے لیے یکساں ہے، تمھیں ویسا ہی بدلہ دیا جارہا ہے جیسے تم عمل کررہے تھے۔

متقی لوگ[11] وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے، لُطف لے رہے ہوں گے اُن چیزوں سے جو اُن کا رب انھیں دے گا، اور اُن کا رب اُنھیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔[12] (ان سے کہا جائے گا:) کھاؤ اور پیو مزے سے[13] اپنے اُن اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ آمنے سامنے بچھے ہوئے

۱۰ — یعنی دنیا میں جب رسول تمھیں اِس جہنم کے عذاب سے ڈراتے تھے تو تم کہتے تھے کہ یہ محض الفاظ کی جادُوگری ہے جس سے ہمیں بے وقوف بنایا جارہا ہے۔ اب بولو، یہ جہنّم جو تمھارے سامنے ہے، یہ اُسی جادُو کا کرشمہ ہے یا اب بھی تمھیں نہ سُوجھا کہ واقعی اُسی جہنّم سے تمھارا پالا پڑ گیا ہے جس کی خبر تمھیں دی جارہی تھی؟

۱۱ — یعنی وہ لوگ جنھوں نے انبیاؑ کی دی ہوئی خبر پر ایمان لاکر دنیا ہی میں اپنا بچاؤ کرلیا اور اُن افکار و اعمال سے پرہیز کیا جن سے انسان جہنّم کا مستحق بنتا ہے۔

۱۲ — کسی شخص کے داخلِ جنّت ہونے کا ذکر کردینے کے بعد پھر دوزخ سے اس کے بچائے جانے کا ذکر کرنے کی بظاہر کوئی حاجت نہیں رہتی۔ مگر قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر یہ دونوں باتیں الگ الگ اس لیے بیان کی گئی ہیں کہ آدمی کا دوزخ سے بچ جانا بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور یہ ارشاد کہ ’’اللہ نے ان کو عذابِ دوزخ سے بچالیا‘‘ دراصل اشارہ ہے اِس حقیقت کی طرف کہ آدمی کا دوزخ سے بچ جانا اللہ کے فضل و کرم ہی سے ممکن ہے، ورنہ بشری کمزوریاں ہر شخص کے عمل میں ایسی ایسی خامیاں پیدا کردیتی ہیں کہ اگر اللہ اپنی فیّاضی سے اُن کو نظرانداز نہ فرمائے اور سخت محاسبے پر اُتر آئے تو کوئی بھی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اسی لیے جنت میں داخل ہونا اللہ کی جتنی بڑی نعمت ہے، اس سے کچھ کم نعمت یہ نہیں ہے کہ آدمی دوزخ سے بچالیا جائے۔

QuranUrdu.com

عَلٰی سُرُرٍ مَّصۡفُوۡفَۃٍ ۚ وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ وَ الَّذِیۡنَ
اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡہُمۡ ذُرِّیَّتُہُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ مَاۤ
اَلَتۡنٰہُمۡ مِّنۡ عَمَلِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ کُلُّ امۡرِیًٔۢ بِمَا کَسَبَ

تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حُوریں اُن سے بیاہ دیں[14] گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کی اولاد بھی کسی درجۂ ایمان میں ان کے نقشِ قدم پر چلی ہے، ان کی اُس اولاد کو بھی ہم (جنّت میں) اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں کوئی گھاٹا ان کو نہ دیں[15] گے۔ ہر شخص اپنے کسب کے

۱۳ – یہاں ”مزے سے“ کا لفظ اپنے اندر بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ جنّت میں انسان کو جو کچھ ملے گا، کسی مَشَقَّت اور محنت کے بغیر ملے گا۔ اس کے ختم ہو جانے یا اس کے اندر کمی واقع ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہو گا۔ اس کے لیے انسان کو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑے گا۔ وہ عین اس کی خواہش اور اس کے دل کی پسند کے مطابق ہو گا۔ جتنا چاہے گا اور جب چاہے گا، حاضر کر دیا جائے گا۔ مہمان کے طور پر وہ وہاں مقیم نہ ہو گا کہ کچھ طلب کرتے ہوئے شرمائے، بلکہ سب کچھ اس کے اپنے گُزَشتہ اعمال کا صلہ اور اس کی اپنی پچھلی کمائی کا ثمرہ ہو گا۔ اس کے کھانے اور پینے سے کسی مرض کا خطرہ بھی نہ ہو گا۔ وہ بھوک مٹانے اور زندہ رہنے کے لیے نہیں بلکہ صرف لذّت حاصل کرنے کے لیے ہو گا، اور آدمی جتنی لذت بھی اُس سے اُٹھانا چاہے، اٹھا سکے گا، بغیر اس کے کہ اس سے کوئی سُوءِ ہضم لاحق ہو۔ اور وہ غذا کسی قسم کی غلاظت پیدا کرنے والی بھی نہ ہو گی۔ اس لیے دنیا میں ”مزے سے“ کھانے پینے کا جو مفہُوم ہے، جنّت میں مزے سے کھانے پینے کا مفہُوم اس سے بدرجہا زیادہ وسیع اور اعلیٰ و ارفع ہے۔

۱۴ – تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورۂ الصّافّات، حواشی ۲۶–۲۹۔ الدُّخان، حاشیہ ۴۲۔

۱۵ – یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ رعد آیت ۲۳، اور سورۂ مومن آیت ۸ میں بھی گزر چکا ہے، مگر یہاں اُن دونوں مَقامات سے بھی زیادہ ایک بڑی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ سورۂ رعد والی آیت میں صرف اتنی بات فرمائی گئی تھی کہ اہلِ جنت کے آبا و اجداد اور ان کی اولاد اور ان کی بیویوں میں سے جو جو افراد بھی صالح ہوں گے، وہ سب ان کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور سورۂ مومن میں ارشاد ہوا تھا کہ فرشتے اہلِ ایمان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی اولاد اور ازواج اور آبا میں سے جو صالح ہوں، انھیں بھی جنت میں ان سے ملا دے۔ یہاں ان دونوں آیتوں سے زائد جو بات فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اولاد کسی نہ کسی درجۂ ایمان میں بھی اپنے آبا کے نقشِ قدم کی پیروی کرتی رہی ہو، تو خواہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہ اُس مرتبے کی مستحق نہ ہو جو آبا کو اُن کے بہتر ایمان و عمل کی

QuranUrdu.com

رَاهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

عوض رُہن ہے[16] ہم اُن کو ہر طرح کے پھل اور گوشت[17]، جس چیز کو بھی ان کا جی چاہے گا، خُوب دیے چلے جائیں گے۔

بنا پر حاصل ہو گا، پھر بھی یہ اولاد اپنے آبا کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ اور یہ ملانا اُس نوعیت کا نہ ہو گا جیسے وقتاً فوقتاً کوئی کسی سے جا کر ملاقات کر لیا کرے، بلکہ اس کے لیے اَلْحَقْنَا بِهِمْ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جن کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ جنّت میں اُن کے ساتھ ہی رکھے جائیں گے۔ اس پر مزید یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ اولاد سے ملانے کے لیے آبا کا درجہ گھٹا کر انھیں نیچے نہیں اُتارا جائے گا، بلکہ آبا سے ملانے کے لیے اولاد کا درجہ بڑھا کر انھیں اُوپر پہنچا دیا جائے گا۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ ارشاد اُس بالغ اولاد کے بارے میں ہے جس نے سِنّ رُشد کو پہنچ کر اپنے اختیار اور ارادے سے ایمان لانے کا فیصلہ کیا ہو اور جو اپنی مرضی سے اپنے صالح بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلی ہو۔ رہی ایک مومن کی وہ اولاد جو سِنِّ رُشد کو پہنچنے سے پہلے ہی مر گئی ہو، تو اس کے معاملے میں کفر و ایمان اور طاعت و مَعصِیَت کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُسے تو ویسے ہی جنّت میں جانا ہے اور اس کے آبا کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے انھی کے ساتھ رکھا جانا ہے۔

۱۶ — یہاں ''رہن'' کا استعارہ بہت معنیٰ خیز ہے۔ ایک شخص اگر کسی سے کچھ قرض لے اور قرض دینے والا اپنے حق کی ادائیگی کے لیے ضمانت کے طور پر اس کی کوئی چیز اپنے پاس رہن رکھ لے، تو جب تک وہ قرض ادا نہ کر دے اس وقت تک فکِّ رہن نہیں ہو سکتا، اور اگر مدّتِ مقررہ گزر جانے پر بھی وہ فکِّ رہن نہ کرائے تو شئے مَرہُونہ ضبط ہو جاتی ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان معاملے کی نوعیت کو یہاں اِسی صورتِ معاملہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ خدا نے انسان کو جو سرو سامان، جو طاقتیں اور صلاحیتیں اور جو اختیارات دنیا میں عطا کیے ہیں، وہ گویا ایک قرض ہے جو مالک نے اپنے بندے کو دیا ہے، اور اِس قرض کی ضمانت کے طور پر بندے کا نفس خدا کے پاس رہن ہے۔ بندہ اِس سرو سامان اور اِن قوتوں اور اختیارات کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے اگر وہ نیکیاں کمائے جن سے یہ قرض ادا ہو سکتا ہو تو وہ شئے مَرہُونہ، یعنی اپنے نفس کو چھُڑا لے گا، ورنہ اسے ضبط کر لیا جائے گا۔ پچھلی آیت کے معاً بعد یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مومنینِ صالحین خواہ بجائے خود کتنے ہی بڑے مرتبے کے لوگ ہوں، ان کی اولاد کا فکِّ رہن اِس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ وہ خود اپنے کسب سے اپنے نفس کو چھُڑائے۔ باپ دادا کی کمائی اولاد کو نہیں چھڑا سکتی۔ البتہ اولاد اگر کسی درجے کے بھی ایمان اور اتباعِ صالحین سے اپنے آپ کو چھُڑا لے جائے تو پھر یہ اللہ کا فضل اور اس کا کرم ہے کہ جنّت میں وہ اس کو نیچے کے مرتبوں سے اُٹھا کر اُونچے مراتب میں باپ دادا کے ساتھ لے جا کر ملا دے۔ باپ دادا کی نیکیوں کا یہ فائدہ تو اولاد کو مل سکتا ہے، لیکن اگر وہ اپنے کسب سے اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق بنا لے تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ باپ دادا کی خاطر اسے جنّت میں پہنچا دیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی اس آیت سے نکلتی ہے

QuranUrdu.com

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

وہاں وہ ایک دُوسرے سے جامِ شراب لپک لپک کر لے رہے ہوں گے، جس میں نہ یاوہ گوئی ہوگی نہ بدکرداری۔[18] اور اُن کی خدمت میں وہ لڑکے دَوڑتے پھر رہے ہوں گے جو انھی کے لیے مخصوص ہوں[19] گے، ایسے خوبصورت جیسے چُھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ لوگ آپس میں ایک دُوسرے سے (دُنیا میں

کہ کم درجے کی نیک اولاد کا بڑے درجے کے نیک آبا سے لے جا کر ملا دیا جانا دراصل اُس اولاد کے کسب کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اُن آبا کے کسب کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے عمل سے اِس فضل کے مستحق ہوں گے کہ ان کے دل خوش کرنے کے لیے ان کی اولاد کو ان سے لا ملایا جائے۔ اسی وجہ سے اللہ اُن کے درجے گھٹا کر انھیں اولاد کے پاس نہیں لے جائے گا، بلکہ اولاد کے درجے بڑھا کر اُن کے پاس لے جائے گا، تاکہ اُن پر خدا کی نعمتوں کے اِتمام میں یہ کسر باقی نہ رہ جائے کہ اپنی اولاد سے دُوری ان کے لیے باعث اذیّت ہو۔

۱۷- اس آیت میں اہلِ جنّت کو مطلقاً ہر قسم کا گوشت دیے جانے کا ذکر ہے، اور سورۂ واقعہ آیت ۲۱ میں فرمایا گیا ہے کہ پرندوں کے گوشت سے ان کی تواضُع کی جائے گی۔ اس گوشت کی نوعیت ہمیں ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ مگر جس طرح قرآن کی بعض تصریحات اور بعض احادیث میں جنت کے دودھ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا نہ ہوگا، اور جنت کے شہد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ مکھیوں کا بنایا ہوا نہ ہوگا، اور جنت کی شراب کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ پھلوں کو سڑا کر کشید کی ہوئی نہ ہوگی، بلکہ اللہ کی قدرت سے یہ چیزیں چشموں سے نکلیں گی اور نہروں میں بہیں گی، اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جنت کا گوشت بھی جانوروں کا ذبیحہ نہ ہوگا بلکہ یہ بھی قُدرَتی طور پر پیدا ہوگا۔ جو خدا زمین کے مادّوں سے براہِ راست دُودھ اور شہد اور شراب پیدا کر سکتا ہے، اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ انھی مادّوں سے ہر طرح کا لذیذ ترین گوشت پیدا کر دے جو جانوروں کے گوشت سے بھی اپنی لذّت میں بڑھ کر ہو۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورۂ صافّات، حاشیہ ۲۵۔ جلد پنجم تفسیر سورۂ محمد، حواشی ۲۱ تا ۲۳)

۱۸- یعنی وہ شراب نشہ پیدا کرنے والی نہ ہوگی کہ اسے پی کر وہ بدمست ہوں اور بے ہودہ بکواس کرنے لگیں، یا گالم گلوچ اور دَھول دَھپّے پر اُتر آئیں، یا اُس طرح کی فُحش حرکات کرنے لگیں جیسی دنیا کی شراب پینے والے کرتے ہیں۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد چہارُم، تفسیر سورۂ صافّات، حاشیہ ۲۷)

۱۹- یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ غِلْمَانُهُمْ نہیں فرمایا بلکہ غِلْمَانٌ لَّهُمْ فرمایا ہے۔ اگر غِلْمَانُهُمْ فرمایا جاتا تو اس سے یہ گمان ہو سکتا تھا کہ دنیا میں اُن کے جو خادم تھے وہی جنت میں بھی ان کے خادم بنا دیے جائیں گے، حالانکہ دنیا کا جو شخص بھی جنت میں جائے گا اپنے استحقاق کی بنا پر جائے گا، اور کوئی وجہ نہیں کہ جنت میں پہنچ کر وہ اپنے اُسی آقا کا خادم

QuranUrdu.com

عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا
مُشۡفِقِيۡنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَوَقٰٮنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾
اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ ﴿۲۸﴾ ع
فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۹﴾ ؕ

ع ۴۸ / ۳

گزرے ہوئے) حالات پُوچھیں گے۔ یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے[20]، آخر کار اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جُھلسا دینے والی ہوا[21] کے عذاب سے بچا لیا۔ ہم پچھلی زندگی میں اُسی سے دُعائیں مانگتے تھے، وہ واقعی بڑا ہی مُحسن اور رحیم ہے۔ ع

پس اَے نبیؐ! تم نصیحت کیے جاؤ، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون[22]۔

بنا دیا جائے جس کی خدمت وہ دنیا میں کرتا رہا تھا۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی خادم اپنے عمل کی وجہ سے اپنے مخدوم کی بہ نسبت زیادہ بلند مرتبہ جنت میں پائے۔ اِس لیے غِلْمَانٌ لَّهُمْ فرما کر اِس گمان کی گنجائش باقی نہیں رہنے دی گئی۔ یہ لفظ اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ یہ وہ لڑکے ہوں گے جو جنت میں اُن کی خدمت کے لیے مخصوص کر دیے جائیں گے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد چہارم، تفسیر سورۂ صافّات، حاشیہ ۲۶)

۲۰ – یعنی ہم وہاں عیش میں منہمک اور اپنی دنیا میں مگن ہو کر غفلت کی زندگی نہیں گزار رہے تھے، بلکہ ہر وقت ہمیں یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس پر خدا کے ہاں ہماری پکڑ ہو۔ یہاں خاص طور پر اپنے گھر والوں کے درمیان ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرنے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ آدمی سب سے زیادہ جس وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اپنے بال بچّوں کو عیش کرانے اور ان کی دنیا بنانے کی فکر ہے۔ اِسی کے لیے وہ حرام کماتا ہے، دوسروں کے حُقوق پر ڈاکے ڈالتا ہے، اور طرح طرح کی ناجائز تدبیریں کرتا ہے۔ اِسی بنا پر اہلِ جنت آپس میں کہیں گے کہ خاص طور پر جس چیز نے ہمیں عاقبت کی خرابی سے بچایا، وہ یہ تھی کہ اپنے بال بچوں میں زندگی بسر کرتے ہوئے ہمیں اُن کو عیش کرانے اور ان کا مستقبل شان دار بنانے کی اتنی فکر نہ تھی جتنی اِس بات کی تھی کہ ہم اُن کی خاطر وہ طریقے نہ اختیار کر بیٹھیں جن سے ہماری آخرت برباد ہو جائے، اور اپنی اولاد کو بھی ایسے راستے پر نہ ڈال جائیں جو اُن کو عذابِ الٰہی کا مستحق بنا دے۔

۲۱ – اصل میں لفظ سَمُوم استعمال ہوا ہے، جس کے معنی سخت گرم ہَوا کے ہیں۔ اس سے مراد لُو کی وہ لپٹیں ہیں جو دوزخ سے اُٹھ رہی ہوں گی۔

QuranUrdu.com

۲۲- اُوپر آخرت کی تصویر پیش کرنے کے بعد اب تقریر کا رُخ کفّارِ مکّہ کی اُن ہٹ دھرمیوں کی طرف پھر رہا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہاں خطاب بظاہر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، مگر دراصل آپؐ کے واسطے سے یہ باتیں کفّارِ مکّہ کو سنانی مقصود ہیں۔ اُن کے سامنے جب آپؐ قیامت، اور حشر و نشر، اور حساب و کتاب، اور جزا و سزا، اور جنّت و جہنّم کی باتیں کرتے تھے، اور اِن مضامین پر مشتمل قرآنِ مجید کی آیات اِس دعوے کے ساتھ اُن کو سناتے تھے کہ یہ خبریں اللہ کی طرف سے میرے پاس آئی ہیں اور یہ اللہ کا کلام ہے جو مجھ پر وحی کے ذریعے سے نازل ہوا ہے، تو اُن کے سردار اور مذہبی پیشوا اور اَوباش لوگ آپؐ کی اِن باتوں پر سنجیدگی کے ساتھ نہ خود غور کرتے تھے، نہ یہ چاہتے تھے کہ عوام اِن کی طرف توجہ کریں۔ اس لیے وہ آپؐ کے اُوپر کبھی یہ فقرہ کستے تھے کہ آپؐ کاہن ہیں، اور کبھی یہ کہ آپؐ مجنون ہیں، اور کبھی یہ کہ آپؐ شاعر ہیں، اور کبھی یہ کہ آپؐ خود اپنے دل سے یہ نرالی باتیں گھڑتے ہیں اور محض اپنا رنگ جمانے کے لیے اِنھیں خدا کی نازل کردہ وحی کہہ کر پیش کرتے ہیں۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ اس طرح کے فقرے کَس کر وہ لوگوں کو آپؐ کی طرف سے بدگمان کر دیں گے اور آپؐ کی ساری باتیں ہوا میں اُڑ جائیں گی۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ اَے نبیؐ! واقعی حقیقت تو وہی کچھ ہے جو سورت کے آغاز سے یہاں تک بیان کی گئی ہے۔ اب اگر یہ لوگ اِن باتوں پر تمھیں کاہن اور مجنون کہتے ہیں تو پروا نہ کرو اور بندگانِ خدا کو غفلت سے چونکانے اور حقیقت سے خبردار کرنے کا کام کرتے چلے جاؤ، کیونکہ خدا کے فضل سے نہ تم کاہن ہو نہ مجنون۔

''کاہن'' عَرَبی زبان میں جوتشی، غیب گو اور سیانے کے معنیٰ میں بولا جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیّت میں یہ ایک مستقل پیشہ تھا۔ کاہنوں کا دعویٰ تھا، اور اُن کے بارے میں ضعیف الاعتقاد لوگ بھی یہ سمجھتے تھے کہ وہ ستارہ شناس ہیں، یا ارواح اور شیاطین اور جِنّوں سے ان کا خاص تعلق ہے، جس کی بدولت وہ غیب کی خبریں معلوم کر سکتے ہیں۔ کوئی چیز کھوئی جائے تو وہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں پڑی ہوئی ہے۔ کسی کے ہاں چوری ہو جائے تو وہ بتا سکتے ہیں کہ چور کون ہے۔ کوئی اپنی قسمت پوچھے تو وہ بتا سکتے ہیں کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ اِنھی اغراض کے لیے لوگ اُن کے پاس جاتے تھے اور وہ کچھ نذر و نیاز لے کر انھیں غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ وہ خود بھی بسا اوقات بستیوں میں آواز لگاتے پھرتے تھے، تاکہ لوگ ان کی طرف رُجوع کریں۔ ان کی ایک خاص وضع قطع ہوتی تھی جس سے وہ الگ پہچانے جاتے تھے۔ ان کی زبان بھی عام بول چال سے مختلف ہوتی تھی۔ وہ مُقفّٰی اور مُسجّع فقرے خاص لہجے میں ذرا ترنّم کے ساتھ بولتے تھے، اور بالعموم ایسے گول مول فقرے استعمال کرتے تھے جن سے ہر شخص اپنے مطلب کی بات نکال لے۔ قریش کے سرداروں نے عوام کو فریب دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاہن ہونے کا الزام صرف اِس بنا پر لگا دیا کہ آپؐ اُن حقائق کی خبر دے رہے تھے جو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں، اور آپؐ کا دعویٰ یہ تھا کہ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ آ کر آپؐ پر وحی نازل کرتا ہے، اور خدا کا جو کلام آپؐ پیش کر رہے تھے وہ بھی مُقفّٰی تھا۔ لیکن عرب میں کوئی شخص بھی اُن کے اِس الزام سے دھوکا نہ کھا سکتا تھا۔ اس لیے کہ کاہنوں کے پیشے اور

QuranUrdu.com

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیۡبَ الۡمَنُوۡنِ ﴿۳۰﴾ قُلۡ
تَرَبَّصُوۡا فَاِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِیۡنَ ﴿۳۱﴾ اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے جس کے حق میں ہم گردشِ ایّام کا انتظار کر رہے ہیں؟[۲۳] اِن سے کہو: اچھّا، انتظار کرو، مَیں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں[۲۴]۔ کیا اِن کی عقلیں اِنھیں

ان کی وضع قطع اور ان کی زبان اور ان کے کاروبار سے کوئی بھی ناواقف نہ تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ کیا کام کرتے ہیں، کس مقصد کے لیے لوگ ان کے پاس جاتے ہیں، کیا باتیں وہ ان کو بتاتے ہیں، اُن کے مُسَجَّع فقرے کیسے ہوتے ہیں اور کن مضامین پر وہ مشتمل ہوتے ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کسی کاہن کا سرے سے یہ کام ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ قوم کے رائج الوقت عقائد کے خلاف ایک عقیدہ لے کر اُٹھتا اور شب و روز اس کی تبلیغ میں اپنی جان کھپاتا اور اس کی خاطر ساری قوم کی دشمنی مول لیتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہانت کا یہ الزام برائے نام بھی کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا کہ یہ پھبتی آپؐ پر چسپاں ہوسکتی اور عرب کا کوئی کُند ذہن سے کُند ذہن آدمی بھی اس سے دھوکا کھا جاتا۔

اِسی طرح آپؐ پر جُنون کا الزام بھی کفّارِ مکّہ محض اپنے دل کی تسلّی کے لیے لگاتے تھے، جیسے موجودہ زمانے کے بعض بے شرم مغربی مصنّفین اسلام کے خلاف اپنے بُغض کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے یہ دعوے کرتے ہیں کہ معاذ اللہ، حضورؐ پر صَرَع (epilepsy) کے دَورے پڑتے تھے، اور انھی دَوروں کی حالت میں جو کچھ آپؐ کی زبان سے نکلتا تھا اسے لوگ وحی سمجھتے تھے۔ ایسے بے ہودہ الزامات کو کسی صاحبِ عقل آدمی نے نہ اُس زمانے میں قابلِ اعتنا سمجھا تھا، نہ آج کوئی شخص قرآن کو پڑھ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت و رہنمائی کے حیرت انگیز کارنامے دیکھ کر یہ باور کرسکتا ہے کہ یہ سب کچھ صَرَع کے دَوروں کا کرشمہ ہے۔

۲۳ – یعنی ہم منتظر ہیں کہ اس شخص پر کوئی آفت آئے اور کسی طرح اِس سے ہمارا پیچھا چھوٹے۔ غالبًا اُن کا خیال یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمارے معبُودوں کی مخالفت اور اُن کی کرامات کا انکار کرتے ہیں، اس لیے یا تو معاذ اللہ، اِن پر ہمارے کسی معبود کی مار پڑے گی، یا کوئی دل چلا اِن کی یہ باتیں سن کر آپے سے باہر ہوجائے گا اور انھیں قتل کر دے گا۔

۲۴ – اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ میں بھی دیکھتا ہوں کہ تمھاری یہ آرزو پوری ہوتی ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ میں بھی منتظر ہوں کہ شامت میری آتی ہے یا تمھاری۔

QuranUrdu.com

اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَاۤ اَمۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ﴿۳۲﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ
لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۴﴾

ایسی ہی باتیں کرنے کے لیے کہتی ہیں؟ یا درحقیقت یہ عِناد میں حد سے گزرے ہوئے لوگ ہیں؟[۲۵]

کیا یہ کہتے ہیں کہ اِس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے[۲۶]۔ اگر یہ اپنے اِس قول میں سچّے ہیں تو اِسی شان کا ایک کلام بنا لائیں[۲۷]۔

---

۲۵ – اِن دو فقروں میں مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کی ہوا نکال کر انھیں بالکل بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ اِستدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے سردار اور مشائخ بڑے عقل مند بنے پھرتے ہیں، مگر کیا اِن کی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اُسے شاعر کہو، جسے ساری قوم ایک دانا آدمی کی حیثیت سے جانتی ہے اُسے مجنون کہو، اور جس شخص کا کہانت سے کوئی دُور دراز کا تعلق بھی نہیں ہے اسے خواہ مخواہ کاہن قرار دو۔ پھر اگر عقل ہی کی بنا پر یہ لوگ حکم لگاتے تو کوئی ایک حکم لگاتے۔ بہت سے متضاد حکم تو ایک ساتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ ایک شخص آخر بیک وقت شاعر، مجنون اور کاہن کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ مجنون ہے تو نہ کاہن ہوسکتا ہے نہ شاعر۔ کاہن ہے تو شاعر نہیں ہوسکتا، اور شاعر ہے تو کاہن نہیں ہوسکتا، کیونکہ شعر کی زبان اور اس کے موضوعات بحث الگ ہوتے ہیں اور کہانت کی زبان اور اس کے مضامین الگ۔ ایک ہی کلام کو بیک وقت شعر بھی کہنا اور کہانت بھی قرار دینا کسی ایسے آدمی کا کام نہیں ہوسکتا جو شعر اور کہانت کا فرق جانتا ہو۔ پس یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہ متضاد باتیں عقل سے نہیں بلکہ سراسر ضد اور ہٹ دھرمی سے کی جارہی ہیں، اور قوم کے یہ بڑے بڑے سردار عِناد کے جوش میں اندھے ہو کر محض بے سروپا الزامات لگا رہے ہیں جنھیں کوئی سنجیدہ انسان قابلِ اعتنا نہیں سمجھ سکتا۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۱۰۴۔ یُونُس، حاشیہ ۳۔ بنی اسرائیل، حواشی ۵۳ – ۵۴۔ جلد سوم، الشُّعراء، حواشی ۱۳۰ – ۱۳۱ – ۱۴۰ – ۱۴۲ – ۱۴۳ – ۱۴۴)

۲۶ – دوسرے الفاظ میں اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قریش کے جو لوگ قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا تصنیف کردہ کلام کہتے ہیں خود اُن کا دل یہ جانتا ہے کہ یہ آپؐ کا کلام نہیں ہوسکتا، اور دوسرے وہ لوگ بھی جو اہلِ زبان ہیں، نہ صرف یہ کہ اِسے سُن کر صاف محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ انسانی کلام سے بہت اعلیٰ وارفع ہے، بلکہ اُن میں سے جو شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہے وہ کبھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ یہ واقعی آپؐ ہی کا کلام ہے۔ پس صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ قرآن کو آپؐ کی تصنیف قرار دینے والے دراصل ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اس لیے وہ طرح طرح کے جھوٹے بہانے گھڑ رہے ہیں، جن میں سے ایک بہانہ یہ بھی ہے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم،

QuranUrdu.com

یونُس، حاشیہ ۲۱۔ جلد سوم، الفرقان، حاشیہ ۱۲۔ القصص، حاشیہ ۶۴۔ العنکبوت، حاشیہ ۸۸-۸۹۔ جلد چہارُم، السجدہ، حاشیہ ۱ تا ۴۔ حٰم السجدہ، حاشیہ ۵۴۔ الاحقاف، حاشیہ ۸ تا ۱۰)

۲۷ – یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سرے سے انسانی کلام ہی نہیں ہے اور یہ بات انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ ایسا کلام تصنیف کر سکے۔ اگر تم اسے انسانی کلام کہتے ہو تو اِس پائے کا کوئی کلام لا کر دکھاؤ جسے کسی انسان نے تصنیف کیا ہو۔ یہ چیلنج نہ صرف قریش کو، بلکہ تمام دنیا کے منکرین کو سب سے پہلے اِس آیت میں دیا گیا تھا۔ اس کے بعد تین مرتبہ مکّۂ معظّمہ میں اور پھر آخری بار مدینۂ منورہ میں اسے دُہرایا گیا۔ (مُلاحظہ ہو: یونُس، آیت ۳۸۔ ہود: ۱۳۔ بنی اسرائیل: ۸۸۔ البقرہ: ۲۳) مگر کوئی اس کا جواب دینے کی نہ اُس وقت ہمّت کر سکا، نہ اُس کے بعد آج تک کسی کی یہ جرأت ہوئی کہ قرآن کے مقابلے میں کسی انسانی تصنیف کو لے آئے۔

بعض لوگ اِس چیلنج کی حقیقی نوعیّت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا، کسی شخص کے اسٹائل میں بھی دوسرا کوئی شخص نثر یا نظم لکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ہومر، رُومی، شیکسپیئر، گوئٹے، غالب، ٹیگور، اقبال، سب ہی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ ان کی نقل اُتار کر انھی جیسا کلام بنا لانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ قرآن کے چیلنج کا یہ جواب دینے والے دراصل اس غلط فہمی میں ہیں کہ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ کا مطلب قرآن کے اسٹائل میں اُس جیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد اسٹائل میں مماثلت نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اِس پائے اور اس شان اور اِس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ جو صرف عربی ہی میں نہیں، دنیا کی کسی زبان میں اُن خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی مدّمقابل قرار پا سکے جن کی بنا پر قرآن ایک معجزہ ہے۔ مختصراً چند بڑی بڑی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں جن کی بنا پر قرآن پہلے بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے:

۱- جس زبان میں قرآنِ مجید نازل ہوا ہے، اُس کے ادب کا وہ بلند ترین اور مکمّل ترین نمونہ ہے۔ پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہُوا نہیں ہے۔ جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے، موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین اندازِ بیان میں ادا کیا گیا ہے۔ ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایۂ بیان نیا ہے، جس سے تکرار کی بدنُمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی۔ اوّل سے لے کر آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نِشَست ایسی ہے جیسے نگینے تراش تراش کر جَڑے گئے ہوں۔ کلام اتنا مؤثّر ہے کہ کوئی زبان داں آدمی اسے سُن کر سر دُھنے بغیر نہیں رہ سکتا، حتّٰی کہ منکر اور مخالف کی رُوح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔ ۱۴ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے، جس کے برابر تو درکنار، جس کے قریب بھی عربی زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں نہیں پہنچتی۔ یہی نہیں، بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ ۱۴ صدیاں گزر جانے پر بھی اِس زبان کا معیارِ فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا، حالانکہ اتنی مدّت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک اِملا، اِنشا، محاورے، قواعدِ

QuranUrdu.com

زبان اور استعمالِ الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو۔ لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا۔ اُس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہُوا ہے۔ اُس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مُستَعمَل ہے۔ اُس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے، اور تقریر و تحریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو ۱۴ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اِس شان کی ہے؟

۲- یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوعِ انسانی کے افکار، اَخلاق، تہذیب اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت، اِتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا، اور پھر اُس قوم نے اُٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصّے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے، بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے، ۱۴ سو برس سے اس کے اِن اثرات کا سلسلہ جاری ہے، اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

۳- جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے، جس کا دائرہ اَزَل سے اَبَد تک پُوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اِس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبّر کون ہے؟ کیا اُس کی صفات ہیں، کیا اُس کے اختیارات ہیں، اور وہ حقیقتِ نفس الامری کیا ہے جس پر اُس نے یہ پُورا نظامِ عالَم قائم کیا ہے۔ وہ اِس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک مُشَخَّص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اُس کا فطری مَقام اور یہ اُس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اِس مَقام اور اِس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لیے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پُوری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظامِ کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے، اور صحیح راستہ، جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا، کس ذریعے سے اُس کو معلوم ہو سکتا ہے، اور کس طرح ہر زمانے میں اُس کو بتایا جاتا رہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی صرف نشان دِہی کر کے نہیں رہ جاتی، بلکہ اُس راستے پر چلنے کے لیے ایک پُورے نظامِ زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے، جس میں عقائد، اَخلاق، تزکیۂ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدُّن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پُوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اِس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور اُن غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اِس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالَم میں رُونما ہونے والے ہیں۔ وہ اِس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا

QuranUrdu.com

عالَم برپا ہونے کی نہایت مفصّل کیفیت بیان کرتی ہے، اِس تغیُّر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے، دوسرے عالَم کا پُورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے، اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا، کس طرح اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا، کن اُمور کی اُس سے باز پُرس ہوگی، کیسی ناقابلِ انکار صورت میں اس کا پُورا نامۂ اعمال اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، کیسی زبردست شہادتیں اُس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی، جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے، جزا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اس وسیع مضمون پر جو کلام اِس کتاب میں کیا گیا ہے، وہ اِس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صُغریٰ کُبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اِس کا مصنف حقیقت کا براہِ راست علم رکھتا ہے، اُس کی نگاہ اَزَل سے اَبَد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اُس پر عیاں ہیں، کائنات پُوری کی پُوری اُس کے سامنے ایک کُھلی کتاب کی طرح ہے، نوعِ انسانی کے آغاز سے اُس کے خاتمے تک ہی نہیں بلکہ خاتمے کے بعد اُس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اُس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے، اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصوّرِ کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے، وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبۂ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور عُلومِ عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اُس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا مَنطِقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظامِ فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے، وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ ۱۴ سو سال سے رُوئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجرِبے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اِس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟

۴۔ یہ کتاب پُوری کی پُوری بیک وقت لکھ کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی، بلکہ چند ابتدائی ہدایات کے ساتھ ایک تحریکِ اصلاح کا آغاز کیا گیا تھا اور اس کے بعد ۲۳ سال تک وہ تحریک جن جن مرحلوں سے گزرتی رہی، اُن کے حالات اور ان کی ضروریات کے مطابق اِس کے اجزا اُس تحریک کے رہنما کی زبان سے کبھی طویل خطبوں اور کبھی مختصر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے۔ پھر اس مشن کی تکمیل پر مختلف اوقات میں صادر ہونے والے یہ اجزا اُس مکمّل کتاب کی صورت میں مُرتّب کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیے گئے جسے ”قرآن“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تحریک کے رہنما کا بیان ہے کہ یہ خطبے اور جُملے اس کے طبع زاد نہیں ہیں، بلکہ خداوندِ عالَم کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص انھیں خود اُس رہنما کے طبع زاد قرار دیتا ہے تو وہ دنیا کی پُوری تاریخ سے کوئی نظیر ایسی پیش کرے کہ کسی انسان نے سالہا سال تک مسلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کی بطورِ خود رہنمائی کرتے ہوئے کبھی ایک واعظ اور معلّمِ اَخلاق کی حیثیت سے، کبھی ایک مظلوم جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے، کبھی ایک مملکت کے فرمانروا کی حیثیت سے، کبھی ایک برسرِ جنگ

QuranUrdu.com

فوج کے قائد کی حیثیت سے، کبھی ایک فاتح کی حیثیت سے، کبھی ایک شارع اور مُقنّن کی حیثیت سے، غرض بکثرت مختلف حالات اور اوقات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے جو مختلف تقریریں کی ہوں یا باتیں کہی ہوں، وہ جمع ہو کر ایک مکمّل، مربوط اور جامع نظامِ فکر و عمل بنا دیں، ان میں کہیں کوئی تناقُض اور تضاد نہ پایا جائے، ان میں ابتدا سے انتہا تک ایک ہی مرکزی تخیّل اور سلسلۂ فکر کار فرما نظر آئے، اس نے اوّل روز سے اپنی دعوت کی جو بنیاد بیان کی ہو، آخری دن تک اُسی بنیاد پر وہ عقائد و اعمال کا ایک ایسا ہمہ گیر نظام بناتا چلا جائے جس کا ہر جُز دوسرے اجزا سے کامل مطابقت رکھتا ہو، اور اس مجموعے کو پڑھنے والا کوئی صاحبِ بصیرت آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہ رہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اُس کے محرّک کے سامنے آخری مرحلے تک کا پُورا نقشہ موجود تھا، اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بیچ کے کسی مقام پر اُس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اس پر منکشف نہ تھا یا جسے بعد میں اس کو بدلنا پڑا۔ اِس شان کا کوئی انسان اگر کبھی گزرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلّاقی کا یہ کمال دکھایا ہو تو اس کی نشان دِہی کی جائے۔

۵- جس رہنما کی زبان پر یہ خطبے اور جُملے جاری ہوئے تھے، وہ یکایک کسی گوشے سے نکل کر صرف اِن کو سنانے کے لیے نہیں آ جاتا تھا اور انھیں سنانے کے بعد کہیں چلا نہیں جاتا تھا۔ وہ اِس تحریک کے آغاز سے پہلے بھی انسانی معاشرے میں زندگی بسر کر چکا تھا اور اُس کے بعد بھی وہ زندگی کی آخری ساعت تک ہر وقت اُسی معاشرے میں رہتا تھا۔ اس کی گفتگو اور تقریروں کی زبان اور طرزِ بیان سے لوگ بخوبی آشنا تھے۔ احادیث میں اُن کا ایک بڑا حصّہ اب بھی محفوظ ہے جسے بعد کے عربی دان لوگ پڑھ کر خود بآسانی دیکھ سکتے ہیں کہ اُس رہنما کا اپنا طرزِ کلام کیا تھا۔ اُس کے ہم زبان لوگ اُس وقت بھی صاف محسوس کرتے تھے اور آج بھی عربی زبان کے جاننے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اِس کتاب کی زبان اور اس کا اسٹائل اُس رہنما کی زبان اور اُس کے اسٹائل سے بہت مختلف ہے، حتّٰی کہ جہاں اس کے کسی خطبے کے بیچ میں اِس کتاب کی کوئی عبارت آ جاتی ہے، وہاں دونوں کی زبان کا فرق بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی انسان کبھی اس بات پر قادر رہا ہے یا ہو سکتا ہے کہ سال ہا سال تک دو قطعی مختلف اسٹائلوں میں کلام کرنے کا تکلّف نباہتا چلا جائے اور کبھی یہ راز فاش نہ ہو سکے کہ یہ دو الگ اسٹائل دراصل ایک ہی شخص کے ہیں؟ عارضی اور وقتی طور پر اس قسم کے تصنّع میں کامیاب ہو جانا تو ممکن ہے۔ لیکن مسلسل ۲۳ سال تک ایسا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص جب خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر کلام کرے تو اس کی زبان اور اسٹائل کچھ ہو اور جب خود اپنی طرف سے گفتگو یا تقریر کرے تو اس کی زبان اور اس کا اسٹائل بالکل ہی کچھ اور ہو۔

۶- وہ رہنما اس تحریک کی قیادت کے دَوران میں مختلف حالات سے دوچار ہوتا رہا۔ کبھی برسوں وہ اپنے ہم وطنوں اور اپنے قبیلے والوں کی تضحیک، توہین اور سخت ظلم وستم کا نشانہ بنا رہا۔ کبھی اس کے ساتھیوں پر اس قدر تشدّد کیا گیا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ کبھی دشمنوں نے اس کے قتل کی سازشیں کیں۔ کبھی خود اسے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔ کبھی اس کو انتہائی عُسرت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنی پڑی۔ کبھی اسے پیہم لڑائیوں سے سابقہ پیش آیا جن میں شکست اور فتح، دونوں ہی ہوتی رہیں۔ کبھی وہ دشمنوں پر غالب آیا اور وہی دشمن جنھوں نے اس پر ظلم توڑے تھے، اس

QuranUrdu.com

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَؕ ۝۳۵ اَمۡ خَلَقُوا
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا يُوۡقِنُوۡنَؕ ۝۳۶ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ
رَبِّكَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜيۡطِرُوۡنَؕ ۝۳۷ اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيۡهِ ۚ فَلۡيَاۡتِ

کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہوگئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو اِنھوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔[۲۸]

کیا تیرے رب کے خزانے اِن کے قبضے میں ہیں؟ یا اُن پر اِنھی کا حکم چلتا ہے؟[۲۹]

کیا اِن کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ عالَمِ بالا کی سُن گُن لیتے ہیں؟ اِن میں سے

کے سامنے سَرنگوں نظر آئے۔ کبھی اسے وہ اقتدار نصیب ہوا جو کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اِن تمام حالات میں ایک انسان کے جذبات، ظاہر ہے کہ یکساں نہیں رہ سکتے۔ اُس رہنما نے اِن مختلف مواقع پر خود اپنی ذاتی حیثیت میں جب کبھی کلام کیا، اُس میں اُن جذبات کا اثر نمایاں نظر آتا ہے جو ایسے مواقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر اِن مختلف حالات میں جو کلام اس کی زبان سے سنا گیا، وہ انسانی جذبات سے بالکل خالی ہے۔ کسی ایک مقام پر بھی کوئی بڑے سے بڑا نقّاد انگلی رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہاں انسانی جذبات کارفرما نظر آتے ہیں۔

۷۔ جو وسیع اور جامع علم اِس کتاب میں پایا جاتا ہے، وہ اُس زمانے کے اہلِ عرب اور اہلِ روم و یونان و ایران تو درکنار، اِس بیسویں صدی کے اکابرِ اہلِ علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ و سائنس اور علومِ عمران کی کسی ایک شاخ کے مطالعے میں اپنی عمر کھپا دینے کے بعد آدمی کو پتا چلتا ہے کہ اُس شعبۂ علم کے آخری مسائل کیا ہیں، اور پھر جب وہ غائر نگاہ سے قرآن کو دیکھتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کتاب میں اُن مسائل کا ایک واضح جواب موجود ہے۔ یہ معاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں ہے، بلکہ اُن تمام عُلوم کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ۱۴ سو برس پہلے ریگستانِ عرب میں ایک اُمّی کو علم کے ہر گوشے پر اتنی وسیع نظر حاصل تھی اور اُس نے ہر بنیادی مسئلے پر غور و خوض کر کے اس کا ایک صاف اور قطعی جواب سوچ لیا تھا؟

اعجازِ قرآن کے اگرچہ اور بھی متعدّد وجوہ ہیں، لیکن صرف اِن چند وُجوہ ہی پر اگر آدمی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کا معجزہ ہونا جتنا نزولِ قرآن کے زمانے میں واضح تھا، اُس سے بدرجہا زیادہ آج واضح ہے اور

QuranUrdu.com

مُّسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍؕ ﴿۳۸﴾ اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَلَكُمُ الۡبَنُوۡنَؕ ﴿۳۹﴾

جس نے سُن گُن لی ہو، وہ لائے کوئی کُھلی دلیل۔ کیا اللہ کے لیے تو ہیں بیٹیاں اور تم لوگوں کے لیے ہیں بیٹے[۳۰]؟

اِن شاء اللہ قیامت تک یہ واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

۲۸ - اِس سے پہلے جو سوالات چھیڑے گئے تھے، وہ کفّارِ مکّہ کو یہ احساس دلانے کے لیے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے رسالت کو جُھٹلانے کے لیے جو باتیں وہ بنا رہے ہیں، وہ کس قدر غیر معقول ہیں۔ اب اِس آیت میں ان کے سامنے یہ سوال رکھا گیا ہے کہ جو دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں، آخر اُس میں وہ بات کیا ہے جس پر تم لوگ اس قدر بگڑ رہے ہو۔ وہ یہی تو کہہ رہے ہیں کہ اللہ تمھارا خالق ہے اور اُسی کی تم کو بندگی کرنی چاہیے۔ اِس پر تمھارے بگڑنے کی آخر کیا معقول وجہ ہے؟ کیا تم خود بن گئے ہو، کسی بنانے والے نے تمھیں نہیں بنایا؟ یا اپنے بنانے والے تم خود ہو؟ یا یہ وسیع کائنات تمھاری بنائی ہوئی ہے؟ اگر ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے اور تم خود مانتے ہو کہ تمھارا خالق بھی اللہ ہی ہے اور اِس کائنات کا خالق بھی وہی ہے، تو اُس شخص پر تمھیں غصہ کیوں آتا ہے جو تم سے کہتا ہے کہ وہی اللہ تمھاری بندگی و پرستش کا مستحق ہے؟ غصّے کے لائق بات یہ ہے یا یہ کہ جو خالق نہیں ہیں اُن کی بندگی کی جائے اور جو خالق ہے اُس کی بندگی نہ کی جائے؟ تم زبان سے یہ اقرار تو ضرور کرتے ہو کہ اللہ ہی تمھارا اور کائنات کا خالق ہے، لیکن اگر تمھیں واقعی اِس بات کا یقین ہوتا تو اُس کی بندگی کی طرف بلانے والے کے پیچھے اِس طرح ہاتھ دھو کر نہ پڑ جاتے۔

یہ ایسا زبردست چُبھتا ہوا سوال تھا کہ اِس نے مشرکین کے عقیدے کی چُولیں ہِلا دیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جُبَیرؓ بن مُطعِم جنگِ بدر کے بعد قریش کے قیدیوں کی رہائی پر بات چیت کرنے کے لیے کفّارِ مکّہ کی طرف سے مدینہ آئے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور اُس میں سورۂ طُور زیرِ تلاوت تھی۔ اُن کا اپنا بیان یہ ہے کہ جب حضورؐ اس مقام پر پہنچے تو میرا دل میرے سینے سے اُڑا جاتا تھا۔ بعد میں اُن کے مسلمان ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اُس روز یہ آیات سُن کر اسلام ان کے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

۲۹ - یہ کفّارِ مکّہ کے اِس اعتراض کا جواب ہے کہ آخر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کیوں رسول بنائے گئے۔ اِس جواب کا مطلب یہ ہے کہ اِن لوگوں کو عبادتِ غیر اللہ کی گمراہی سے نکالنے کے لیے بہرحال کسی نہ کسی کو تو رسول مقرر کیا جانا ہی تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا کس کا کام ہے کہ خدا اپنا رسول کس کو بنائے اور کس کو نہ بنائے؟ اگر یہ لوگ خدا کے بنائے ہوئے رسول کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو اس کے معنٰی یہ ہیں کہ یا تو خدا کی خدائی کا مالک یہ اپنے آپ کو سمجھ بیٹھے ہیں، یا پھر ان کا زعم یہ ہے کہ اپنی خدائی کا مالک تو خدا ہی ہو مگر اُس میں حکم اِن کا چلے۔

QuranUrdu.com

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَؕ ﴿۴۰﴾ اَمۡ عِنۡدَهُمُ
الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَؕ ﴿۴۱﴾ اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ

کیا تم اِن سے کوئی اجر مانگتے ہو کہ یہ زبردستی پڑی ہوئی چٹی کے بوجھ تلے دبے جاتے ہیں[۳۱]؟

کیا اِن کے پاس غیب کے حقائق کا عِلم ہے کہ اُس کی بنا پر یہ لکھ رہے ہوں[۳۲]؟

کیا یہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں[۳۳]؟ (اگر یہ بات ہے) تو کفر کرنے والوں پر ان کی چال

۳۰– اِن مختصر فقروں میں ایک بڑے مفصّل اِستدلال کو سمو دیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر تمھیں رسُول کی بات ماننے سے انکار ہے تو تمھارے پاس خود حقیقت کو جاننے کا آخر ذریعہ کیا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی شخص عالَمِ بالا میں پہنچا ہے اور اللہ تعالیٰ، یا اُس کے فرشتوں سے اُس نے براہِ راست یہ معلوم کر لیا ہے کہ وہ عقائد بالکل حقیقت کے مطابق ہیں جن پر تم لوگ اپنے دین کی بِنا رکھے ہوئے ہو؟ یہ دعویٰ اگر کسی کو ہے تو وہ سامنے آئے اور بتائے کہ اُسے کب اور کیسے عالَمِ بالا تک رسائی حاصل ہوئی ہے اور کیا علم وہ وہاں سے لے کر آیا ہے۔ اور اگر یہ دعویٰ تم نہیں رکھتے تو پھر خود ہی غور کرو کہ اِس سے زیادہ مضحکہ انگیز عقیدہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ تم اللہ رب العالَمین کے لیے اولاد تجویز کرتے ہو، اور اولاد بھی لڑکیاں، جنھیں تم خود اپنے لیے باعثِ ننگ و عار سمجھتے ہو؟ علم کے بغیر اس قسم کی صریح جہالتوں کے اندھیرے میں بھٹک رہے ہو، اور خدا کی طرف سے جو شخص علم کی روشنی تمھارے سامنے پیش کرتا ہے، اس کی جان کے دُشمن ہوئے جاتے ہو۔

۳۱– سوال کا اصل رُوئے سُخن کفار کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر رسول تم سے کوئی غرض رکھتا اور اپنی کسی ذاتی منفعت کے لیے یہ ساری دوڑ دھوپ کر رہا ہوتا تو اس سے تمھارے بھاگنے کی کم از کم ایک معقول وجہ ہوتی۔ مگر تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنی اِس دعوت میں بالکل بے غرض ہے اور محض تمھاری بھلائی کے لیے اپنی جان کھپا رہا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ٹھنڈے دل سے اُس کی بات سننے تک کے روادار نہیں ہو؟ اس سوال میں ایک لطیف تعریض بھی ہے۔ ساری دنیا کے بناوٹی پیشواؤں اور مذہبی آستانوں کے مجاوروں کی طرح عرب میں بھی مشرکین کے پیشوا اور پنڈت اور پروہت کُھلا کُھلا مذہبی کاروبار چلا رہے تھے۔ اِس پر یہ سوال اُن کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ایک طرف یہ مذہب کے تاجر ہیں جو عَلانیہ تم سے نذریں، نیازیں اور ہر مذہبی خدمت کی اُجرتیں وصول کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک شخص کامل بے غرضی کے ساتھ، بلکہ اپنے تجارتی کاروبار کو برباد کر کے تمھیں نہایت معقول دلائل سے دین کا سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب یہ صریح بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے کہ تم اِس سے بھاگتے اور اُن کی طرف دوڑتے ہو۔

QuranUrdu.com

الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

اُلٹی ہی پڑے گی۔[۳۴]

کیا اللہ کے سوا یہ کوئی اور معبود رکھتے ہیں؟ اللہ پاک ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔[۳۵]

۳۲– یعنی رسول تمھارے سامنے جو حقائق پیش کر رہا ہے، ان کو جھٹلانے کے لیے آخر تمھارے پاس وہ کون سا علم ہے جسے تم اس دعوے کے ساتھ پیش کر سکو کہ پردۂ ظاہر کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقتوں کو تم براہِ راست جانتے ہو؟ کیا واقعی تمھیں یہ علم ہے کہ خدا ایک نہیں ہے بلکہ وہ سب بھی خدائی صفات و اختیارات رکھتے ہیں جنھیں تم نے معبود بنا رکھا ہے؟ کیا واقعی تم نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ لڑکیاں ہیں اور نعوذ باللہ، خدا کے ہاں پیدا ہوئی ہیں؟ کیا واقعی تم یہ جانتے ہو کہ کوئی وحی نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی ہے، نہ خدا کی طرف سے کسی بندے کے پاس آ سکتی ہے؟ کیا واقعی تمھیں اس بات کا علم ہے کہ کوئی قیامت برپا نہیں ہونی ہے، اور مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہوگی، اور کوئی عالَمِ آخرت قائم نہ ہوگا جس میں انسان کا محاسبہ ہو اور اسے جزا و سزا دی جائے؟ اگر اس طرح کے کسی علم کا تمھیں دعویٰ ہے تو کیا تم یہ لکھ کر دینے کے لیے تیار ہو کہ اِن اُمور کے متعلق رسول کے بیانات کی تکذیب تم اِس بنا پر کر رہے ہو کہ پردۂ غیب کے پیچھے جھانک کر تم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو رسول بیان کر رہا ہے؟ اس مقام پر ایک شخص یہ شبہ ظاہر کر سکتا ہے کہ اس کے جواب میں اگر وہ لوگ ہٹ دھرمی کے ساتھ یہ بات لکھ کر دے دیتے تو کیا یہ اِستِدلال بے معنیٰ نہ ہو جاتا؟ لیکن یہ شبہ اس لیے غلط ہے کہ ہٹ دھرمی کی بنا پر وہ لکھ بھی دیتے تو جس معاشرے میں یہ چیلنج برسرِ عام پیش کیا گیا تھا، اس کے عام لوگ اندھے تو نہ تھے۔ ہر شخص جان لیتا کہ یہ لکھا سراسر ہٹ دھرمی کے ساتھ دیا گیا ہے، اور درحقیقت رسول کے بیانات کو جھٹلانے کی بنیاد یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی کو اُن کے خلافِ واقعہ ہونے کا علم حاصل ہے۔

۳۳– اشارہ ہے اُن تدبیروں کی طرف جو کفّارِ مکّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زک دینے اور آپؐ کو ہلاک کرنے کے لیے آپس میں بیٹھ بیٹھ کر سوچا کرتے تھے۔

۳۴– یہ قرآن کی صریح پیشین گوئیوں میں سے ایک ہے۔ مکّی دَور کے ابتدائی زمانے میں، جب مٹھی بھر بے سروسامان مسلمانوں کے سوا بظاہر کوئی طاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھی، اور پوری قوم آپؐ کے خلاف برسرِ پیکار تھی، اسلام اور کفر کا مقابلہ ہر دیکھنے والے کو انتہائی نامُساوی مقابلہ نظر آ رہا تھا۔ کوئی شخص بھی اُس وقت یہ اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ چند سال کے بعد یہاں کفر کی بِساط بالکل اُلٹ جانے والی ہے۔ بلکہ ظاہر بین نگاہ تو یہ دیکھ رہی تھی کہ قریش اور سارے عرب کی مخالفت آخرکار اس دعوت کا خاتمہ کر کے چھوڑے گی۔ مگر اس حالت میں پوری تحدّی کے ساتھ کفار

QuranUrdu.com

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾
فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا
يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے بھی گرتے ہوئے دیکھ لیں تو کہیں گے: ''یہ بادل ہیں جو اُمڈے چلے آرہے ہیں۔''[۳۶] پس اے نبیؐ! اِنھیں اِن کے حال پر چھوڑ دو، یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن کو پہنچ جائیں جس میں یہ مار گرائے جائیں گے، جس دن نہ اِن کی اپنی کوئی چال اِن کے کسی کام آئے گی نہ کوئی اِن کی مدد کو آئے گا۔ اور اُس وقت کے آنے سے پہلے بھی ظالموں کے لیے ایک عذاب ہے، مگر اِن میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔[۳۷]

سے یہ صاف صاف کہہ دیا گیا کہ اس دعوت کو نیچا دکھانے کے لیے جو تدبیریں بھی تم کرنا چاہو، کر کے دیکھ لو۔ وہ سب اُلٹی تمھارے ہی خلاف پڑیں گی اور تم اِسے شکست دینے میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکو گے۔

۳۵ – یعنی امرِ واقعہ یہ ہے کہ جن کو اِنھوں نے الٰہ بنا رکھا ہے وہ حقیقت میں الٰہ نہیں ہیں، اور شرک سراسر ایک بے اصل چیز ہے۔ اس لیے جو شخص توحید کی دعوت لے کر اُٹھا ہے اس کے ساتھ سچّائی کی طاقت ہے، اور جو لوگ شرک کی حمایت کر رہے ہیں وہ ایک بے حقیقت چیز کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اس لڑائی میں شرک آخر کیسے جیت جائے گا۔

۳۶ – اس ارشاد سے مقصود ایک طرف سردارانِ قریش کی ہٹ دھرمی کو بے نقاب کرنا، اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو تسلی دینا ہے۔ حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ کے دل میں بار بار یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اِن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی معجزہ ایسا دکھا دیا جائے جس سے اِن کو نبوتِ محمدیہ کی صداقت معلوم ہو جائے۔ اس پر فرمایا گیا ہے کہ یہ خواہ کوئی معجزہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، بہرحال یہ اس کی تاویل کر کے کسی نہ کسی طرح اپنے کفر پر جمے رہنے کا بہانہ ڈھونڈ نکالیں گے، کیونکہ ان کے دل ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ قرآنِ مجید میں متعدّد دوسرے مقامات پر بھی اُن کی اس ہٹ دھرمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ اَنعام میں فرمایا: ''اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مُردے اِن سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم اِن کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے، تب بھی یہ ماننے

QuranUrdu.com

وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
ع ۲ ۲۱ ۴
حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع

اے نبیؐ! اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کرو،[۳۸] تم ہماری نگاہ میں ہو۔[۳۹] تم جب اُٹھو تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو،[۴۰] رات کو بھی اس کی تسبیح کیا کرو،[۴۱] اور ستارے جب پلٹتے ہیں اُس وقت بھی۔[۴۲] ع

والے نہ تھے۔" (آیت ۱۱۱) اور سورۂ حِجر میں فرمایا: "اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے اور یہ دن دہاڑے اس میں چڑھنے بھی لگتے، پھر بھی یہ لوگ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں، بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔" (آیت ۱۵)

۳۷- یہ اُسی مضمون کا اِعادہ ہے جو سورۂ السجدہ، آیت ۲۱ میں گزر چکا ہے کہ "اُس بڑے عذاب سے پہلے ہم اِسی دنیا میں کسی نہ کسی چھوٹے عذاب کا مزا انھیں چکھاتے رہیں گے، شاید کہ یہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائیں۔" یعنی دنیا میں وقتاً فوقتاً شخصی اور قومی مصیبتیں نازل کر کے ہم انھیں یہ یاد دلاتے رہیں گے کہ اُوپر کوئی بالاتر طاقت ان کی قسمتوں کے فیصلے کر رہی ہے اور کوئی اس کے فیصلوں کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مگر جو لوگ جہالت میں مبتلا ہیں، انھوں نے نہ پہلے کبھی ان واقعات سے سبق لیا ہے نہ آیندہ کبھی لیں گے۔ وہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث کے معنیٰ نہیں سمجھتے، اس لیے ان کی ہر وہ تاویل کرتے ہیں جو حقیقت کے فہم سے اِن کو اور زیادہ دُور لے جانے والی ہو، اور کسی ایسی تاویل کی طرف اُن کا ذہن کبھی مائل نہیں ہوتا جس سے اپنی دہریّت یا اپنے شرک کی غلطی ان پر واضح ہو جائے۔ یہی بات ہے جو ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے کہ اِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِیَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلَمْ يَدْرِ لِمَ اَرْسَلُوْهُ (ابوداؤد، کتاب الجنائز)۔ یعنی "منافق جب بیمار پڑتا ہے اور پھر اچھا ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اُس اُونٹ کی سی ہوتی ہے جسے اس کے مالکوں نے باندھا تو اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں باندھا ہے، اور جب کھول دیا تو وہ کچھ نہ سمجھا کہ کیوں کھول دیا ہے۔" (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، الانبیاء، حاشیہ ۴۵۔ النمل، حاشیہ ۶۶۔ العنکبوت، حاشیہ ۷۲-۷۳)

۳۸- دوسرا مفہُوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبر و استقامت کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی تعمیل پر ڈٹے رہو۔

۳۹- یعنی ہم تمھاری نگہبانی کر رہے ہیں۔ تمھیں تمھارے حال پر چھوڑ نہیں دیا ہے۔

۴۰- اس ارشاد کے کئی مفہُوم ہو سکتے ہیں، اور بعید نہیں کہ وہ سب ہی مراد ہوں۔

ایک مفہوم یہ ہے کہ جب بھی تم کسی مجلس سے اُٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح کر کے اُٹھو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے، اور آپؐ نے مسلمانوں کو بھی یہ ہدایت فرمائی تھی کہ کسی مجلس سے اُٹھتے وقت اللہ کی حمد و تسبیح

QuranUrdu.com

کرلیا کریں، اس سے ان تمام باتوں کا کفّارہ ادا ہو جاتا ہے جو اس مجلس میں ہوئی ہوں۔ ابوداؤد، ترمِذِی، نَسائی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے حضوؐر کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا ہو اور اُس میں خوب قیل و قال ہوئی ہو، وہ اگر اُٹھنے سے پہلے یہ الفاظ کہے تو اللہ ان باتوں کو معاف کر دیتا ہے جو وہاں ہوئی ہوں: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ ’’خداوندا! میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبُود نہیں ہے، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔‘‘

دوسرا مفہُوم اس کا یہ ہے کہ جب تم نیند سے بیدار ہو کر اپنے بستر سے اُٹھو تو اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ اس پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود عمل فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کو آپؐ نے یہ تعلیم دی تھی کہ نیند سے جب بیدار ہوں تو یہ الفاظ کہا کریں: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (مُسنَدِ احمد، بخاری بَرِوایت عُبادہؓ بن الصّامت)

تیسرا مفہُوم اس کا یہ ہے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ کی حمد و تسبیح سے اس کا آغاز کرو۔ اسی حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ نماز کی ابتدا تکبیرِ تحریمہ کے بعد اِن الفاظ سے کی جائے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

چوتھا مفہُوم اس کا یہ ہے کہ جب تم اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے اُٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح سے اس کا آغاز کرو۔ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول تھا کہ آپؐ ہمیشہ اپنے خطبوں کا آغاز حمد و ثنا سے فرمایا کرتے تھے۔

مفسر ابنِ جَریرؒ نے اس کا ایک اور مفہُوم یہ بیان کیا ہے کہ جب تم دوپہر کو قیلُولہ کر کے اُٹھو تو نماز پڑھو، اور اس سے مراد نمازِ ظہر ہے۔

۴۱ – اس سے مراد مغرب و عشا اور تہجد کی نمازیں بھی ہیں، اور تلاوتِ قرآن بھی، اور اللہ کا ذکر بھی۔

۴۲ – ستاروں کے پلٹنے سے مراد رات کے آخری حصّے میں ان کا غروب ہونا اور سَپیدۂ صبح کے نمودار ہونے پر ان کی روشنی کا ماند پڑ جانا ہے۔ یہ نمازِ فجر کا وقت ہے۔